

# تقسیم القرآن النور

۱۵۱

اور اے نبی، مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں، پاؤں اور ہاتھ اپنے شوہروں کی حفاظت کو اپنے  
 اس عورتوں کے لیے ہی مغلبن بصر کے احکام و ہی میں جو مردوں کے لیے ہیں ایسی نہیں تصدق مردوں کو نہ دیکھو،  
 چہاں سے، رنگا، پڑ جائے تو ہٹا لینی چاہیے، اور دوسریوں کے متروک دیکھنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ لیکن مرد کے عورت  
 کو دیکھنے کی بہ نسبت عورت کے مرد کو دیکھنے کے معاملہ میں احکام انھوں سے مختلف ہیں۔ ایک طرف حدیث میں  
 ہم کو یہ واقعہ ملتا ہے کہ حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی تھیں، اتنے میں حضرت ابن ابی  
 سلمہ آگئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں بچوں سے فرمایا: "احتجبا منہ" ان سے پرہیز کرو۔ یہ دونوں نے عرض  
 کیا یا رسول اللہ! ایسے اعلیٰ لایبصر تاملانہ عفتا، یا رسول اللہ! کیا یہ ارادے نہیں ہیں، ہم نہیں دیکھیں گے  
 نہ پہچانیں گے۔ فرمایا انعمیادان استما، السمتا تبصرا، اللہ! کیا تم دونوں بھی امدی ہو، کیا تم انہیں نہیں دیکھتی  
 حضرت ام سلمہ تصریح کرتی ہیں کہ خالک بعد اذات اہل بالحجاب، یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جب پرہیز کا حکم  
 آپ کا تھا۔ "وامحمد، ابو نوری، احمدی، اور اس کی تائید شوٹا کی یہ روایت کرتی ہے کہ حضرت عائشہ کے پاس ایک  
 نابینا آیا تو انہوں نے اس سے پرہیز کیا۔ کہا گیا کہ آپ اس سے پرہیز کیوں کرتی ہیں، یہ تو آپ کو نہیں دیکھ سکتا ہے۔  
 میں ام المؤمنین نے فرمایا لیکنی انظر الیہ، میں تو اسے دیکھتی ہوں، دوسری طرف ہیں حضرت عائشہ کی یہ روایت  
 ملتی ہے کہ میں میں حبشیوں کا وفد دینے آیا اور اس نے مسجد نبوی کے اساطیل میں ایک تماشا کیا نبی صلی اللہ  
 علیہ وسلم نے خود حضرت عائشہ کو یہ تماشا دکھایا اور بخاری، مسلم، احمد، تیسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ ناکلمہ بنت نفیس  
 کو جب ان کے شوہر نے تین طلاق دے دیں تو سہل پیدا ہوا کہ وہ عدوت کہاں گزرائیں چہے حضور نے فرمایا کہ

ام شریک انسا یہ کے ہاں رہو پھر فرمایا ان کے ہاں میرے صحابہ بہت جاتے رہتے ہیں دیکھو کہ وہ ایک بڑی مالدار اور فیاض خاتون تھیں، بکثرت لوگ ان کے ہاں جہان رہتے اور وہ ان کی ضیافت کرتی تھیں، لہذا اہم ابن ام مکتوم کے ہاں رہو، وہ اندھ آدمی ہیں، تم ان کے ہاں بے تکلف رہ سکو گے، "مسلم، ابوداؤد، ابن روایات کو صحیح کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے مردوں کو دیکھنے کے معاملے میں اتنی سختی نہیں ہے جتنی مردوں کے عورتوں کو دیکھنے کے معاملے میں ہے۔ ایک مجلس میں آمنے سامنے بیٹھ کر دیکھنا ممنوع ہے۔ راستہ چلتے ہوئے یا دوسرے کوئی جائز قسم کا میل نماشا دیکھتے ہوئے مردوں پر نگاہ پڑنا ممنوع نہیں ہے۔ اور کوئی حقیقی ضرورت پیش آجائے تو ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی دیکھنے میں مضائقہ نہیں ہے۔ امام غزالی اور ابن حجر عسقلانی نے بھی روایات سے قریب تر یہی نتیجہ اخذ کیا ہے۔ شوکانی سیل الادوار میں ابن حجر کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ "جواز کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ عورتوں کے باہر نکلنے کے معاملے میں ہمیشہ جوڑی پر عمل رہا ہے۔ مسجدوں میں، بازاروں میں، اور سفر میں عورتیں تو نقاب منہ پڑھ کر جاتی تھیں کہ مرد ان کو نہ دیکھیں، مگر مردوں کو کبھی یہ حکم نہیں دیا گیا کہ وہ بھی نقاب اوڑھیں تاکہ عورتیں ان کو نہ دیکھیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے معاملے میں حکم مختلف ہے، "دہلوی، صفحہ ۱۱۱، تاہم یہ کسی طرح بھی جائز نہیں ہے کہ عورتیں اطمینان سے مردوں کو گھوڑیں اور ان کے حسن سے آنکھیں سینکیں۔

مسئلہ یعنی ناجائز شہرت دانی سے بھی پرہیز کریں، اور اپنا ستر مردوں کے سامنے کھولنے سے بھی باز رہیں۔ عورتوں کے لیے بھی وہی احکام ہیں جو مردوں کے لیے ہیں۔ لیکن عورت کے ستر کے حدود مردوں سے مختلف ہیں۔ نیز عورت کا ستر مردوں کے لیے الگ ہے اور عورتوں کے لیے الگ۔

مردوں کے لیے عورت کا ستر ہاتھ اور منہ کے سوا اس کا پورا جسم ہے جسے شوہر کے سوا کسی دوسرے مرد کو باپ اور بھائی کے سامنے بھی نہ کھلنا چاہیے، اور عورت کو ایسا باریک یا سخت لباس بھی نہ پہننا چاہیے جس سے بدن اندھ سے جھلکے یا بدن کی ساخت نمایاں ہو۔ حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ ان کی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئیں اور وہ باریک کپڑے پہنے ہوئے تھیں۔ حضور نے فوراً منہ پھیر لیا اور فرمایا یا اسماء! ان المرأة اذا بلغت الحيض لم يصلح لها ان تبيئ منها الا هذا وهذا والى وجهه وكفيه۔ اسماء، جب عورت بالغ ہو جائے تو جائز نہیں ہے کہ منہ اور ہاتھ کے سوا اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر آئے۔

اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں بجز اس کے جو خود ظاہر ہو جائے، اور اپنے سینوں پر اپنی اور ہنسیوں

(ابرواؤ)۔ اسی قسم کا ایک اور واقعہ ابن جریر نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ ان کے ہاں ان کے اختیاتی بھائی عبداللہ بن طفیل کی صاحبزادی آئی ہوئی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو انہیں دیکھ کر منہ پھیر لیا حضرت عائشہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میری بھتیجی ہے آپ نے فرمایا اذاعتک الملوۃ لعل یحل لہا ان نظہا ولا وجہہا والا مادون ہذا وقین علی ذراع نقضہ وتوک بین قیفتہ و بین الکف مثل قبضۃ اخیری؟ جب عورت باغ ہو جائے تو اس کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ ظاہر کرے اپنے منہ کے سوا اور اپنے ہاتھ کے سوا، اور ہاتھ کی حد آپ نے خود اپنی کلائی پر ہاتھ رکھ کر اس طرح بتائی کہ آپ کی ٹھسی اللہ تعالیٰ کے درمیان صرف ایک ٹھسی کی جگہ اور باقی تھی۔ اس معاملے میں صرف اتنی رعایت ہے کہ اپنے محرم رشتہ والوں مثلاً باپ بھائی وغیرہ کے سامنے عورت اپنے جسم کا اتنا حصہ کھول سکتی ہے جسے گھر کا کام کاج کرتے ہوئے کھولنے کی ضرورت پیش آتی ہے جیسے آنا گوندتے مہتے آستینیں اور چڑھالینا، یا گھر کا فرش دھونے جیسے پانچھ کچھ اوپر کر لینا۔

اور عورت کے لیے عورت کے ستر کے حدود ہی ہیں جو مرد کے ستر کے ہیں، یعنی ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عورتوں کے سامنے عورت نیم برینہ ہے۔ بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ ڈھانکنا فرض ہے اور دوسرے معمول کا ڈھانکنا فرض نہیں ہے۔

۳۔ یہ بات نگاہ میں رہے کہ تشریحیت الہی عورتوں سے صرف اتنا ہی مطالبہ نہیں کرتی جو مردوں سے اس نے کیا ہے یعنی نظر بچانا اور شرمگاہوں کی حفاظت کرنا، بلکہ وہ ان سے کچھ اور مطالبے بھی کرتی ہے جو اس نے مردوں سے نہیں کیے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس معاملے میں عورت اور مرد یکساں نہیں ہیں۔

۴۔ بناؤ سنگھار ہم نے زینت کا ترجمہ کیا ہے، جس کے لیے دوسرا لفظ آرائش بھی ہے اس کا اطلاق تین چیزوں پر ہوتا ہے: خوشنما کپڑے، زیور اور سرمہ، ہاتھ پاؤں وغیرہ کی مختلف آرائشیں جو بالعموم عورتیں دنیا میں کرتی ہیں، جن کے لیے موجودہ زمانے میں MAKE UP کا لفظ بولا جاتا ہے۔ یہ بناؤ سنگھار کرنے نہ دکھایا جائے، اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

۵۔ اس آیت کے مفہوم کو تفسیروں کے مختلف بیانات نے اچھا خاصا مفہوم بنا دیا ہے، اور دیکھائے خود



کے آنچل ڈالے رہیں۔ وہ اپنا بناؤ مسنگھار نہ ظاہر کریں مگر ان لوگوں کے سامنے : شوہر، باپ، شوہرین  
ایک چیز ہے جسے عورتوں اور غیر محرم مردوں کے درمیان حائل کیا گیا ہے، اور یہاں بحث ستر کی نہیں بلکہ احکام حجاب کی ہے۔  
۶۔ نہانہ جاہلیت میں عورتیں مردوں پر ایک طرح کے کساد سے باز رہتی تھیں جن کی گرہ جوڑے کی طرح پیچھے  
چوٹی پر لگائی جاتی تھی۔ سامنے گریبان کا ایک حصہ کھلا رہتا تھا جس سے گلا اور سینے کا بالائی حصہ صاف نمایاں ہوتا تھا۔  
پچھائیوں پر قمیص کے سوا اور کوئی چیز نہ ہوتی تھی۔ اور پیچھے دو دو تین تین چوٹیاں لہراتی رہتی تھیں (تفسیر کشاف جلد ۲ صفحہ ۹۰)  
ابن کثیر جلد ۳، صفحہ ۸۲-۸۳-۲۸۳)۔ اس آیت کے نزول کے بعد مسلمان عورتوں میں دو پٹہ رائج کیا گیا، جس کا مقصد یہ نہیں  
تھا کہ آج کل کی صاحبزادیوں کی طرح بس آسے بل دے کر گلے کا ہار بنایا جائے، بلکہ یہ تھا کہ اسے اڑھ کر سر، کمر، سینہ  
سب اچھی طرح ڈھانک لیے جائیں۔ اہل ایمان خواتین نے قرآن کا یہ حکم سنتے ہی فوراً جس طرح اس کی تعمیل کی اس کی  
تعریف کرتے ہوئے حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب سورہ لور نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو سن  
لوگ اپنے گھروں کی طرف پٹے اور جا کر انہوں نے اپنی بیویوں، بیٹیوں، بہنوں کو اس کی آیات سنائیں۔ انصار کی عورتوں  
میں سے کوئی عورت ایسی نہ تھی جو آیت و لیس بن عجم بن علی جبویہن کے الفاظ سن کر اپنی جگہ بیٹھی رہ گئی ہو۔  
ایک اٹھی اور کسی نے اپنا کمر ٹپہ کھول کر اور کسی نے چادر اٹھا کر فوراً اس کا دو پٹہ بنایا اور اڑھ دیا۔ دوسرے روز صبح کی نماز  
کے وقت جتنی عورتیں مسجد نبوی میں حاضر ہوئیں سب دو پٹے اور پٹے ہوئے تھیں۔ اسی سلسلے کی ایک اور روایت میں  
حضرت عائشہ مزید تفصیل یہ بتاتی ہیں کہ عورتوں نے باریک پٹے چھوڑ کر اپنے موٹے پٹے چھائے اور ان کے دو پٹے بنائے (ابن کثیر ج ۲  
ص ۲۸۲۔ برواؤد، کتاب اللباس)۔

یہ بات کہ دو پٹہ باریک پٹے کا نہ ہونا چاہیے، ان احکام کے مزاج اور مقصد پر غور کرنے سے خود ہی آدمی کی سمجھ  
میں آجاتی ہے، چنانچہ انصار کی خواتین نے حکم سنتے ہی سمجھ لیا تھا کہ اس کاغذ کا کس طرح کے کپڑے کا دو پٹہ بنانے سے  
پورا ہو سکتا ہے۔ لیکن صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو بھی صرف لوگوں کے غم پر نہیں چھوڑ دیا بلکہ  
خود اس کی تصریح فرمادی۔ وحیہ کلبی کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مصر کی بنی ہوئی باریک عمل (رقباطی)، آئی۔  
آپ نے اس میں سے ایک ٹکڑا مجھے دیا اور فرمایا ایک حصہ چھوڑ کر اپنا کرتا بنا لو اور ایک حصہ اپنی بیوی کو دو پٹہ بنانے  
کے لیے دے دو، مگر ان سے کہہ دینا کہ تجھل تختہ ثونا لا یعضھا؛ اس کے نیچے ایک اور کپڑا نکالیں تاکہ جسم کی

کے باپ کے، اپنے بیٹے، شوہروں کے بیٹے، بھائی، بھائیوں کے بیٹے، بہنوں کے بیٹے، اپنے میل جول کی قوم میں، ساخت اندر سے نہ چھلکے۔ (ابوداؤد، کتاب اللباس)۔

۳۳۷ یعنی جس حلقے میں ایک عورت اپنی پردی زینت کے ساتھ آزادی سے رہ سکتی ہے وہ ان لوگوں پر مشتمل ہے۔ اس حلقے سے باہر جو لوگ بھی ہیں خواہ وہ رشتہ دار بہن یا اجنبی، بہر حال ایک عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ ان کے سامنے زیب و زینت کے ساتھ آئے۔ ولایب دین زینتھن الا ما ظاہر منھا کے فقرے میں جو حکم دیا گیا تھا اس کا مطلب یہاں کھول دیا گیا ہے کہ اس محدود حلقے سے باہر جو لوگ بھی ہوں، ان کے سامنے ایک عورت کو اپنی آرائش قصداً یا بے پروائی کے ساتھ خود نہ ظاہر کرنی چاہیے، البتہ جو ان کی کوشش کے باوجود یا ان کے ارادے کے بغیر ظاہر ہو جائے، یا جس کا چھپانا ممکن نہ ہو وہ اللہ کے ہاں معاف ہے۔

۳۳۸ اصل میں لفظ آباد استعمال ہوا ہے جس کے مفہوم میں صرف باپ ہی نہیں بلکہ دادا پر دادا، اور نانا پر نانا بھی شامل ہیں۔ لہذا ایک عورت اپنی دھیال اور نہیال، اور اپنے شوہر کی دھیال اور نہیال کے ان سب بزرگوں کے سامنے اسی طرح آسکتی ہے جس طرح اپنے والد اور خسر کے سامنے آسکتی ہے۔

۳۳۹ بیٹوں میں پوتے پر پوتے اور نواسے پر نواسے سب شامل ہیں۔ اور اس معاملے میں سگے سوتیلے کا کوئی فرق نہیں ہے۔ اپنے سوتیلے بچھل کی اولاد کے سامنے عورت اسی طرح آزادی کے ساتھ اظہار زینت کر سکتی ہے جس طرح خود اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کے سامنے کر سکتی ہے۔

۳۴۰ "بھائیوں" میں سگے اور سوتیلے اور ماں جیسے بھائی سب شامل ہیں۔

۳۴۱ بھائی بہنوں کے بیٹوں سے مراد تمیز فرم کے بھائی بہنوں کی اولاد ہے، یعنی ان کے پوتے پر پوتے اور نواسے پر نواسے سب اس میں شامل ہیں۔

۳۴۲ یہاں چونکہ رشتہ داروں کا حلقہ منہم ہر دو ہے۔ اور آگے غیر رشتہ دار لوگوں کا ذکر ہے، اس لیے آگے بڑھنے سے پہلے یہیں مسائل کو اچھی طرح سمجھ لیجیے، کیونکہ ان کو نہ سمجھنے سے متعدد الجھنیں واقع ہوتی ہیں۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ بعض لوگ اظہار زینت کی آزادی کو صرف ان رشتہ داروں تک محدود سمجھتے ہیں جن کا نام یہاں لیا گیا ہے۔ باقی سب لوگوں کو جتنی کہ سگے چچا اور سگے ماموں تک کو ان رشتہ داروں میں شمار کرتے ہیں جن سے پردہ کیا

جاتا چاہیے، اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ ان کا نام قرآن میں نہیں لیا گیا ہے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔ سگے چچا اور ماموں تو درکنار، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو رضاعی چچا اور ماموں سے بھی پردہ کرنے کی حضرت عائشہؓ کو اجازت نہ دی۔ صحاح ستہ اور مسند احمد میں حضرت عائشہؓ کی اپنی روایت ہے کہ ابوالنقیس کے بھائی اُفح ان کے ہاں آئے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ چونکہ پردے کا حکم آچکا تھا اس لیے حضرت عائشہؓ نے اجازت نہ دی۔ انہوں نے کہلا بھیجا کہ تم تو میری بھتیجی ہو، کیونکہ میرے بھائی ابوالنقیس کی بیوی کا تم نے دودھ پیا ہے۔ لیکن حضرت عائشہؓ کو اس میں تامل تھا کہ یہ رشتہ بھی ایسا ہے جس میں پردہ اٹھا دینا جائز ہو۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نثر لیف سے کہنے اور اپنے فرمایا کہ وہ تمہارے پاس آسکتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس آیت کو اس معنی میں نہیں پایا ہے کہ اس میں جن جن رشتہ داروں کا ذکر آیا ہے ان سے پردہ نہ ہو اور باقی سب سے ہو، بلکہ اپنے اس سے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ جن جن رشتہ داروں سے ایک عورت کا نکاح حرام ہے وہ سب ایسی آیت کے حکم میں داخل ہیں، مثلاً چچا، ماما، دادا، اور رضاعی رشتہ دار۔ تابعین میں سے حضرت حسن بصری نے بھی یہی رائے ظاہر کی ہے، اور اسی کی تائید علامہ ابو بکر حبصہ نے احکام القرآن میں فرمائی ہے (ج ۳ ص ۳۵۰)۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جن رشتہ داروں سے ابوی حرمت کا رشتہ نہ ہو (یعنی جن سے ایک کنواری یا بیوہ عورت کا نکاح جائز ہو، وہ نہ تو محرم رشتہ داروں کے حکم میں ہیں کہ عورتیں بے تکلف ان کے سامنے اپنی زینت کے ساتھ آئیں اور نہ بالکل اجنبیوں کے حکم میں کہ عورتیں ان سے ویسا ہی مکمل پردہ کریں جیسا غیروں سے کیا جاتا ہے بان دونوں اہتلاف کے درمیان ٹھیک ٹھیک کیا رویہ ہونا چاہیے۔ یہ شریعت میں متعین نہیں کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس کا تعین ہو نہیں سکتا۔ اس کے حدود مختلف رشتہ داروں کے معاملے میں ان کے رشتے، ان کی عمر، عورت کی عمر، زمانہ ذی تعلقات اور رابطہ اور فریقین کے حالات (مثلاً مکان کا مشترک ہونا یا الگ الگ مکانوں میں رہنا) کے لحاظ سے لامحالہ مختلف ہونگے اور رہنے چاہئیں۔ اس معاملے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا طرز عمل جو کچھ تھا اس سے ہم کو یہی رہنمائی ملتی ہے۔ بکثرت احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سالی تھیں آپ کے سامنے ہوتی تھیں، اور آخر وقت تک آپ کے اور ان کے درمیان کم از کم چہرے اور ہاتھوں کی حد تک کوئی پردہ نہ تھا۔ حجۃ الوداع نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف چند مہینے پہلے کا واقعہ ہے اور اس وقت بھی یہی

حالت قائم تھی (ملاحظہ ہو ابو داؤد، کتاب الحج، باب المحرم یؤدب غلاماً)۔ اسی طرح حضرت اتم ہانی، جو ابو طالب کی صاحبزادی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چچا زاد بہن تھیں، آخر وقت تک حضور کے سامنے ہوتی رہیں، اور کم از کم منہ اور چہرے کا پردہ انہوں نے آپ سے کبھی نہیں کیا۔ فتح مکہ کے موقع کا ایک واقعہ وہ خود بیان کرتی ہیں جس سے اس کا ثبوت ملتا ہے (ملاحظہ ہو ابو داؤد، کتاب الصوم، باب فی النیۃ فی الصوم والرضختہ فیہ)۔ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عباس اپنے بیٹے فضل کو، اور ربیعہ بن جریث بن عبد المطلب (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا زاد بھائی) اپنے بیٹے عبد المطلب کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں یہ کہہ کر بھیجتے ہیں کہ اب تم لوگ جو ان ہو گئے ہو، تمہیں جب تک بعد کا نہ ملے تمہاری نساویاں نہیں ہو سکتیں، لہذا انعام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر نوکری کی درخواست کرو۔ یہ دونوں حضرت زینب کے مکان پر حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ حضرت زینب فضل کی حقیقی چھوٹی زاد بہن ہیں۔ اور عبد المطلب بن ربیعہ کے والد سے بھی ان کا وہی رشتہ ہے جو فضل سے ہے۔ لیکن وہ ان دونوں کے سامنے نہیں ہوتیں اور حضور کی موجودگی میں ان کے ساتھ پردے کے پیچھے سے بات کرتی ہیں (ابو داؤد، کتاب الخراج) ان دونوں قسم کے واقعات کو ملا کر دیکھا جائے تو مسئلے کی صورت وہی کچھ سمجھ میں آتی ہے جو اوپر ہم بیان کر آئے ہیں۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ جہاں رشتے میں شبہ پڑ جائے وہاں محرم رشتہ دار سے بھی احتیاطاً پردہ کرنا چاہیے۔ بخاری و مسلم اور ابو داؤد میں ہے کہ حضرت سودہ ام المؤمنین کا ایک بھائی لونڈی زادہ تھا (یعنی ان کے باپ کی لونڈی کے بطن سے نکلا)۔ اس کے متعلق حضرت سعد بن وقاص کو ان کے بھائی عتبہ نے وصیت کی کہ اس لڑکے کو اپنا جتیم سمجھ کر اس کی سرپرستی کرنا، کیونکہ وہ دراصل میرے لطف سے ہے۔ یہ مقدمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے حضرت سعد کا دعویٰ یہ کہہ کر خارج کر دیا کہ بیٹیا اس کا جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا، سہا زائی تو اس کے حصے میں لکھتے تھے، لیکن ساتھ ہی آپ نے حضرت سودہ سے فرمایا کہ اس لڑکے سے پردہ کرنا (اجتہبی منہ)، کیونکہ یہ اطمینان نہ رہا تھا کہ واقعی ان کا بھائی ہے۔

لکن اصل میں لفظ نساویہ حق استعمال ہوتا ہے جس کا لفظی ترجمہ ہے ”ان کی عورتیں“۔ اس سے کون عورتیں مراد ہیں، یہ بحث تو بعد کی ہے۔ سب سے پہلے جو بات قابل غور اور قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ محض عورتوں



والنساء کا لفظ استعمال نہیں کیا جس سے مسلمان عورت کے لیے تمام عورتوں اور ہر قسم کی عورتوں کے سامنے بے پردہ ہونا اور اظہارِ زینت کرنا جائز ہو جاتا۔ بلکہ نساء و جن کہہ کر عورتوں کے ساتھ اُس کی آزادی کو بہر حال ایک خاص دائرے تک محدود کر دیا ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ دائرہ کوئی سا ہو۔ اس پر یہ سوال کہ یہ کونسا دائرہ ہے، اور وہ کون عورتیں ہیں جن پر لفظ نساء و جن کا اطلاق ہوتا ہے، اس میں فقہاء اور مفسرین کے اقوال مختلف ہیں:-

ایک گروہ کہتا ہے کہ اس سے مراد صرف مسلمان عورتیں ہیں۔ غیر مسلم عورتیں خواہ وہ ذمی ہوں یا کسی اور قسم کی، ان سے مسلمان عورتوں کو اسی طرح پردہ کرنا چاہیے جس طرح اجنبی مردوں سے کیا جاتا ہے۔ ابن عباس، مجاہد اور ابن جریج کی یہی رائے ہے اور یہ لوگ اپنی تائید میں یہ واقعہ بھی پیش کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے حضرت ابو عبیدہ کو لکھا: "میں نے سنا ہے مسلمانوں کی بعض عورتیں غیر مسلم عورتوں کے ساتھ حماموں میں جانے لگی ہیں حالانکہ جو عورت اللہ اور یومِ آخر پر ایمان رکھتی ہو اس کے لیے حلال نہیں ہے کہ اس کے جسم پر اس کے اہل ملت کے سوا کسی اور کی نظر پڑے"۔ یہ خط جب حضرت ابو عبیدہ کو ملا تو وہ ایک دم گہرا کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: "خدا یا جو مسلمان عورت محض گوری ہونے کے لیے ان حماموں میں جلتے اس کا منہ آخرت میں کالا ہو جائے"۔ ابن جریر، بیہقی، ابن کثیر،۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اس سے مراد تمام عورتیں ہیں۔ امام رازی کے نزدیک یہی صحیح مذہب ہے۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر فی الواقع اللہ تعالیٰ کا منشا بھی یہی تھا تو پھر نساء و جن کہنے کا کیا مطلب، اس صورت میں تو النساء کہنا چاہیے تھا۔

جبہور و قبولِ آلوسی "اکثر السلف" کی رائے یہ ہے، اور یہی معقول بھی ہے اور قرآن کے الفاظ سے فریضے بھی، کہ اس سے دراصل ان کے میل جول کی عورتیں، ان کی جانی بوجھی عورتیں، ان سے تعلقات رکھنے والی اور ان کے کام کاج میں حصہ لینے والی عورتیں مراد ہیں، اور مقصود ان عورتوں کو اس دائرے سے خارج کرنا ہے جو یا تو اجنبی ہوں کہ ان کے اخلاق و تہذیب کا حال معلوم نہ ہو، یا جن کے ظاہری حالات مشکبہ ہوں اور ان پر اعتماد نہ کیا جاسکے۔ اس معاملے میں اصل چیز جس کا لحاظ کیا جائے گا وہ مذہبی اختلاف نہیں بلکہ اخلاقی

اپنے ملک، وہ زبردست مرد جو کسی اور قسم کی غرض نہ رکھتے ہوں، اور وہ بچے جو عورتوں کی پوشیدہ حالت ہے۔ شریف، باحیا اور نیک اطوار عورتیں، جو معروف اور قابل اعتماد خاندانوں سے تعلق رکھنے والی بہن ان سے مسلمان عورتیں پوری طرح بے تکلف ہو سکتی ہیں، خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں۔ لیکن بے حیا، آبرو باختہ اور بد اطوار عورتیں، خواہ یہ مسلمان ہی کیوں نہ ہوں، ہر شریف عورت کو ان سے پرہیز کرنا چاہیے، کیونکہ اخلاق کچیے ان کی صحبت، غیر مردوں کی صحبت سے کچھ کم تباہ کن نہیں ہے۔ رہیں ان جانی عورتیں جن کی حالت معلوم نہیں ہے تو ان سے ملاقات کی حد ہمارے نزدیک وہی ہے جو غیر محرم رشتہ داروں کے سامنے آزادی کی زیادہ سے زیادہ حد ہو سکتی ہے، یعنی یہ کہ عورت صرف منہ اور ہاتھ ان کے سامنے کھولے، باقی اپنا سارا جسم اور آرائش چھپا کر رکھے۔ لکن اس حکم کا مطلب سمجھنے میں بھی فقہاء کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے۔ ایک گروہ اس سے مراد صرف وہ لڑکیاں لیتا ہے جو کسی عورت کی ملک میں ہوں۔ ان حضرات کے نزدیک ارشاد الہی کا مطلب یہ ہے کہ لڑکی خواہ مشرکہ ہو یا اہل کتاب میں سے، مسلمان مالک اس کے سامنے تو اظہار زینت کر سکتی ہے مگر غلام، چاہے وہ عورت کا اپنا ملک ہی کیوں نہ ہو، پرہیز کے معاملہ میں اس کی حیثیت وہی ہے جو کسی آزاد اجنبی مرد کی ہے۔ یہ عبداللہ بن مسعود، مجاہد، حسن بصری، ابن سیرین، سعید بن مسیب، طاؤس، اور امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے اور ایک قول امام شافعی کا بھی اسی کی تائید میں ہے۔ ان پیرگوں کا استدلال یہ ہے کہ غلام کے لیے اس کی مالک محرم نہیں ہے مگر وہ آزاد ہو جائے تو اپنی اسی سابق مالک سے نکاح کر سکتا ہے۔ لہذا محض غلامی اس امر کا سبب نہیں بن سکتی کہ عورت اس کے سامنے وہ آزادی برتنے جس کی اجازت محرم مردوں کے سامنے برتنے کے لیے دی گئی ہے۔ رہا یہ سوال کہ ما ملکت ایمانہن کے الفاظ عام ہیں، جو لڑکی اور غلام دونوں کے لیے استعمال ہوتے ہیں، پھر اسے لڑکیوں کے لیے خاص کرنے کی کیا دلیل ہے؟ اس کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ یہ الفاظ اگرچہ عام ہیں مگر موقع و محل ان کا مفہوم لڑکیوں کے لیے خاص کر رہا ہے۔ پہلے نساہت فرمایا، پھر ما ملکت ایمانہن ارشاد ہوا۔ نساہت کے الفاظ سن کر عام آدمی یہ سمجھ سکتا تھا کہ اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جو کسی عورت کی بیٹی یا رشتہ دار ہوں۔ اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی تھی کہ شاید لڑکیاں اس میں شامل نہ ہوں اس لیے ما ملکت ایمانہن کہہ کر یہ بات صاف کر دی گئی کہ آزاد عورتوں کی طرح لڑکیوں کے سامنے بھی اظہار زینت کیا جا سکتا ہے۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اس اجازت میں لوٹدی اور غلام دونوں شامل ہیں۔ یہ حضرت عائشہ اور ام سلمہ اور بعض ائمہ اہل بیت کا مذہب ہے اور امام شافعی کا مشہور قول بھی یہی ہے۔ ان کا استدلال صرف لفظ "سکنت" یا "انفن" کے عموم ہی سے نہیں ہے بلکہ وہ سنت سے بھی اپنی تائید میں شواہد پیش کرتے ہیں مثلاً یہ واقعہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک غلام عبداللہ بن مسعدۃ الغزالی کو لیے ہوئے حضرت فاطمہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ وہ اس وقت ایک ایسی چادر اوڑھے ہوئے تھیں جس سے سر ڈھانکتی تھیں تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں ڈھانکتی تھیں تو سر کھل جاتا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی گھبراہٹ دیکھ کر فرمایا لیس عذک باس، انما هو الجلیب وغلاما لب، کوئی حرج نہیں، یہاں بس تمہارا باپ ہے اور تمہارا غلام" (ابوداؤد، احمد، تہذیبی بروایت انس بن مالک۔ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ یہ غلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو دے دیا تھا، انہوں نے اسے پرورش کیا اور پھر آزاد کر دیا، مگر اس اسمان کا جو بدلہ اس نے دیا وہ یہ تھا کہ تنگ صفین کے زمانے میں وہ حضرت علی کا بڑترین دشمن اور امیر معاویہ کا پر جوش حامی تھا)۔ اسی طرح وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ اذا کان لاحدا کن مکاتب وکان لہ ما یؤدی فلتحتجب منہ "جب تم میں سے کوئی اپنے غلام سے مکاتبیت کرے اور وہ مال کتابت ادا کرنے کی قدرت رکھتا ہو تو اسے چھاپیے کہ ایسے غلام سے پردہ کرے" (ابوداؤد،

ترمذی، ابن ماجہ، احمد، بروایت ام سلمہ)

صلحہ اصل میں التابعین غیر اولی الاربۃ من الرجال کے الفاظ میں جن کا لفظی ترجمہ ہوگا "مردوں میں سے وہ مرد جو تابع ہوں خواہش نہ رکھنے والے"۔ ان الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ محرم مردوں کے سوا دوسرے کسی مرد کے سامنے ایک مسلمان عورت صرف اس صورت میں اظہارِ زینت کر سکتی ہے جبکہ اس میں دو صفات پائی جاتی ہوں: ایک یہ کہ وہ تابع یعنی زیر دست اور ماتحت ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ خواہش نہ رکھنے والا ہو، یعنی اپنی عمر، یا جسمانی عدم اہلیت، یا عقلی کمزوری، یا فقر و مسکنت، یا زیر دستی و عکری کی بنا پر جس میں یہ طاقت یا جرات نہ ہو کہ صاحبِ خانہ کی میری، بیٹی، بہن یا ماں کے متعلق کوئی بری منیت دل میں لاسکے۔ اس حکم کو جو شخص بھی فرما بہر داری کی نیت سے، نہ کہ نافرمانی کی گنجائشیں دھونڈنے کی نیت سے، پڑھیں گا وہ اول نظر ہی میں محسوس کرے گا کہ آج کل کے میرے، خاندان کے، شو فرادہ و دوسرے جوان جوان کو کہہ کر تو بہر حال اس تعریف میں نہیں آتے۔ مفسرین اور فقہاء

اس کی جو تشریحات کی ہیں ان پر ایک نظر ڈال لینے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اہل علم ان الفاظ کا کیا مطلب سمجھتے رہے ہیں :-

ابن عباس — اس سے مراد وہ سیدھا سادھا بَصُورِ مُغْفَلٍ آدمی ہے جو عورتوں سے دلچسپی نہ رکھتا ہو۔  
 قتادہ — ایسا دست نگر آدمی جو پیٹ کی روٹی پانے کے لیے تمہارے ساتھ لگا رہے۔  
 مجاہد — ابلہ، جو روٹی چاہتا ہے اور عورتوں کا طالب نہیں ہے۔  
 شعبی — وہ جو صاحب خانہ کا نایع دوست نگر ہو اور جس کی اتنی مہمت ہی نہ ہو کہ عورتوں پر نگاہ ڈال سکے۔

ابن زید — وہ جو کسی خانہ ان کے ساتھ لگا رہے، حتیٰ کہ گویا اسی گھر کا ایک فرد بن گیا ہو اور اسی گھر میں پلا بڑھا ہو۔ جو گھر والوں کی عورتوں پر نگاہ نہ رکھتا ہو، نہ اس کی مہمت ہی کر سکتا ہو۔ جو ان کے ساتھ اس لیے لگا رہتا ہو کہ ان سے اس کو روٹی ملتی ہے۔  
 طاؤس اور ہیری — بے ذوق آدمی جس میں نہ عورتوں کی طرف رغبت ہو اور نہ اس کی مہمت۔

(ابن جریر ج ۱۸ ص ۹۵-۹۶- ابن کثیر ج ۳ ص ۲۸۵)

ان تشریحات سے بھی زیادہ واضح تشریح وہ واقعہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیش آیا تھا اور جسے بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور احمد وغیرہ محدثین نے حضرت عائشہ اور ام سلمہ سے روایت کیا ہے۔ مدینہ طیبہ میں ایک محنت تھا جسے ازواجِ مطہرات اور دوسری خواتین غیر اولی الاربابہ میں شمار کر کے اپنے یہاں آنے دیتی تھیں۔ ایک روز جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین حضرت ام سلمہ کے ہاں تشریف لے گئے تو آپ نے اس کو حضرت ام سلمہ کے بھائی عبداللہ بن ابی اُمیہ سے باتیں کرنے سن لیا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ کل اگر طائفہ منع ہو جائے تو غیلانِ نقی کی بیٹی باویہ کو حاصل کیے بغیر نہ رہنا۔ پھر اس نے باویہ کے حسن اور اس کے جسم کی تعریف کرنی شروع کی اور اس کے پوشیدہ اعضاء تک کی صفت بیان کر ڈالی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ باتیں سنیں تو فرمایا یہ خدا کے دشمن، تو نے تو اس میں نظریں گاڑیں۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ اس سے پردہ کرو، آئندہ یہ گھروں میں نہ آنے پائے۔ اس کے بعد آپ نے اسے مدینہ سے باہر نکال دیا، اور دوسرے محنتوں کو بھی گھروں میں گھسنے سے منع فرما دیا،

باتوں سے ابھی واقف نہ ہوئے ہوں۔ وہ اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ اپنی جوزینت انہوں نے چھپا رکھی ہو اس کا لوگوں کو علم ہو جائے۔

۱۳۹۹ لے موئو، تم سب مل کر اللہ سے توبہ کرو، تو فتح ہے کہ فلاح پاؤ گے۔

کیونکہ ان کو محنت سمجھ کر عورتیں ان سے احتیاط نہ کرتی تھیں اور وہ ایک گھر کی عورتوں کا حال دوسرے مردوں کے بیان کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ غیر اولی الاربہ ہونے کے لیے صرف یہ بات کافی نہیں ہے کہ ایک شخص جسمانی طور پر عیساہی کے لائق نہیں ہے۔ اگر اس میں دبی ہوئی صنفی خواہشات موجود ہیں اور وہ عورتوں سے دلچسپی رکھتا ہے تو بہر حال وہ بہت سے فتنوں کا موجب بن سکتا ہے۔

۱۴۰۰ یعنی جن میں ابھی صنفی احساسات بیدار نہ ہوئے ہوں۔ یہ تعریف زیادہ سے زیادہ دس بارہ برس کی عمر تک کے لڑکوں پر صادق آسکتی ہے۔ اس سے زیادہ عمر کے لڑکے اگر چہ نابالغ ہوں، مگر ان میں صنفی احساسات بیدار ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔

۱۴۰۱ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کو صرف زیدوں کی تھنکا تک محدود نہیں رکھا ہے، بلکہ اس سے یہ اصول اخذ فرمایا ہے کہ نگاہ کے سوا دوسرے حواس کو مستقل کرنے والی چیزیں بھی اس مقصد کے خلاف ہیں جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو اظہارِ زینت سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ نے عورتوں کو حکم دیا کہ خوشبو لگا کر باہر نکلیں

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ حضور نے فرمایا لا تمنعوا اماؤ اللہ مساجدا اللہ ولكن لیخرجن وھن تغلات، "اللہ کی بندوں کو اللہ کی مسجدوں میں آنے سے منع نہ کرو، مگر وہ خوشبو لگا کر نہ آئیں" (ابوداؤد، احمد)۔

اسی مضمون کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ایک عورت مسجد سے نکل کر جا رہی تھی کہ حضرت ابو ہریرہ اس کے پاس سے گزرے اور انہوں نے محسوس کیا کہ وہ خوشبو لگاٹے ہوئے ہے۔ انہوں نے اسے روک کر پوچھا "اے

خداٹے جبار کی بندی، کیا تو مسجد سے آرہی ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ یوں نے اپنے محبوب ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیفرماتے سنا ہے کہ جو عورت مسجد میں خوشبو لگا کر آٹے اس کی نماز اس وقت تک قبول نہیں ہوتی

جب تک وہ گھر جا کر غسل جنابت نہ کرے" (ابوداؤد، ابن ماجہ، احمد، نسائی)۔ ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایستعطرت المرأة فتمرت علی النقوم لیجدوا ریحھا فھو کذا وکذا

قال تولا منة ليداً، جو عورت عطر لگا کر رات سے گزرنے تاکہ لوگ اس کی خوشبو سے لطف اندوز ہوں تو وہ ایسی اور ایسی ہے، آپ نے اس کے لیے بڑے سخت الفاظ استعمال فرمائے، (ترمذی، ابو داؤد، نسائی، آپ کی ہدایت یہ تھی کہ عورتوں کو وہ خوشبو استعمال کرنی چاہیے جس کا رنگ تیز ہو اور بو ملکی ہو (ابو داؤد)۔

اسی طرح آپ نے اس بات کو بھی ناپسند فرمایا کہ عورتیں بلا ضرورت اپنی آواز مردوں کو سنائیں، عورت چنے پر بات کرنے کی اجازت تو خود قرآن میں دی گئی ہے، اور لوگوں کو دینی مسائل خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انواع مطہرات بتایا کرتی تھیں۔ لیکن جہاں اس کی نہ ضرورت ہو اور نہ کوئی دینی یا اخلاقی فائدہ، وہاں اس بات کو پسند نہیں کیا گیا ہے کہ عورتیں اپنی آواز غیر مردوں کو سنائیں۔ چنانچہ نماز میں اگر امام مجبول بننے تو مردوں کو حکم ہے کہ سبحان اللہ کہیں، مگر عورتوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ اپنے ایک ہاتھ پر دوسرا ہاتھ مار کر امام کو متنبہ کریں۔ التبیح بلرجال و التصفیق للنساء (بخاری، مسلم، احمد، ترمذی، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ)

۸۸ یعنی ان لغزشوں اور غلطیوں سے جو اس معاملے میں اب تک کرتے رہے ہو، اور آئندہ کے لیے اپنے طرز عمل کی اصلاح ان ہدایات کے مطابق کر لو جو اللہ اور اس کے رسول نے دی ہیں۔

۸۹ اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان دوسری اصلاحات کا بھی ایک خلاصہ دے دیا جائے جو ان احکام کے نزول کے بعد قرآن کی روح کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی معاشرے میں رائج فرمائیں۔ ۱۱، آپ نے محرم رشتہ داروں کی غیر موجودگی میں دوسرے لوگوں کو (خواہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں) کسی عورت سے تنہا ملنے اور اس کے پاس تنہا بیٹھنے سے منع فرما دیا۔ حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا لا تلجوا علی المنعیات فان الشیطان یجری من احدک مجری الدم، جن عورتوں کے شوہر باہر گئے ہوئے ہوں ان کے پاس نہ جاؤ، کیونکہ شیطان تم میں سے ایک شخص کے اندر خون کی طرح گردش کر رہا ہے (ترمذی) انہی حضرت جابر کی دوسری روایت ہے کہ حضور نے فرمایا من کان یومن باللہ والیوم الاخر فلا یخلون بامرأة لیس معها ذومحم منها فان ثالثهما الشیطان، جو شخص اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتا ہو وہ کبھی کسی عورت سے تنہا ٹی میں نہ ملے جب تک کہ اس کے ساتھ اس عورت کا کوئی محرم نہ ہو، کیونکہ تفسیر اس وقت شیطان ہوتا ہے (احمد)۔ قریب قریب اسی مضمون کی ایک اور روایت امام احمد نے عامر بن

زبیعہ سے نقل کی ہے۔ اس معاملے میں حضور کی اپنی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ رات کے وقت آپ حضرت صفیہ کے ساتھ ان کے مکان کی طرف جا رہے تھے۔ راستے میں دو انصاری پاس سے گزرتے۔ آپ نے ان کو روک کر ان سے فرمایا یہ میرے ساتھ میری بیوی صفیہ ہیں۔ انہوں نے عرض کیا سبحان اللہ، یا رسول اللہ، جہلا آپ کے متعلق بھی کوئی بدگمانی ہو سکتی ہے؛ فرمایا شیطان آدمی کے اندر خون کی طرح گردش کرتا ہے، بٹھے اندیشہ ہوا کہیں وہ تمہارے دل میں کوئی برا گمان ڈال دے (ابوداؤد، کتاب الصوم)۔

(۲) آپ نے اس کو بھی جائز نہیں رکھا کہ کسی مرد کا ہاتھ کسی غیر محرم عورت کے جسم کو لگے۔ چنانچہ آپ مردوں سے بیعت تو ہاتھ میں لیکر کرتے تھے لیکن عورتوں سے بیعت لینے کا یہ طریقہ آپ نے کبھی اختیار نہیں فرمایا۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ کبھی کسی غیر عورت کے جسم کو نہیں لگا۔ آپ عورت سے صرف زبانی عہد لیتے تھے اور جب وہ عہد کر چلتی تھی تو فرماتے، جاؤ بس تمہاری بیعت ہو گئی (ابوداؤد، کتاب الخراج)۔

(۳) آپ نے عورت کو محرم کے بغیر تنہا یا غیر محرم کے ساتھ سفر کرنے سے سختی کے ساتھ منع فرمادیا۔ بخاری و مسلم میں ابن عباس کی روایت ہے کہ حضور نے خطبہ میں فرمایا لا یجھلون رجل بامرأة الا ومعها ذو محرم، ولا یسافر المرأة الا مع ذی محرم، کوئی مرد کسی عورت سے خلوت میں نہ لے جائے کہ اس کے ساتھ اس کا کوئی محرم نہ ہو اور کوئی عورت سفر نہ کرے جب تک کہ اس کا کوئی محرم اس کے ساتھ نہ ہو۔ ایک شخص نے اٹھ کر عرض کیا میری بیوی حج کو جا رہی ہے اور میرا نام فلاں مجھ پر جانے والوں میں لکھا جا چکا ہے۔ حضور نے فرمایا فانطلق حج مع امرأتک۔ اچھا تو تم اپنی بیوی کے ساتھ حج کو چلے جاؤ۔ اس مضمون کی متعدد احادیث ابن عمر، ابوسعید خدری اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے معتبر کتب حدیث میں مروی ہیں جن میں صرف دست سفر یا مسانتب سفر کے اعتبار سے اختلاف بیان ہے۔ مگر اس امر میں اتفاق ہے کہ کسی مومن عورت کے لیے جو اللہ اور ایمان آخر کو مانتی ہو، محرم کے بغیر سفر کرنا حلال نہیں ہے۔ ان میں سے کسی حدیث میں ۱۲ میل یا اس سے زیادہ کے سفر پر پابندی کا ذکر ہے، کسی میں ایک دن کسی میں ایک شب و روز، کسی میں دو دن اور کسی میں تین دن کی حد بتائی گئی ہے۔ لیکن یہ اختلاف ان احادیث کو نہ تو مطلقاً اعتبار بنا دیتا ہے اور نہ اس کی وجہ سے یہ ضروری ہے کہ ہم ان میں سے کسی ایک روایت کو دوسری روایتوں پر ترجیح دے کر اس حد کو قانونی مقدار قرار دینے کی کوشش کریں جو اس روایت میں بیان ہوئی ہو اور

کہ اس اختلاف کی یہ معقول وجہ سمجھ میں آسکتی ہے کہ مختلف مواقع پر جیسی صورت میں معاملہ حضور کے سامنے پیش ہوئی ہو اسی کے لحاظ سے آپ نے حکم بیان فرمایا ہو۔ مثلاً کوئی عورت تین دن کی مسافت پر جا رہی ہو اور آپ نے اسے محرم کے بغیر جانے سے منع فرمایا ہو، اور کوئی ایک دن کی مسافت پر جا رہی ہو اور آپ نے اسے بھی روک دیا ہو۔ اس میں مختلف سائلوں کے الگ الگ حالات اور ہر ایک کو آپ کے مختلف جوابات اصل چیز نہیں ہیں، بلکہ اصل چیز وہ قاعدہ ہے جو ابوہریرہ بن عباس والی روایت میں ارتداد ہوا ہے، یعنی سفر جسے عرف عام میں سفر کہا جاتا ہے، محرم کے بغیر کسی عورت کو نہ کرنا چاہیے۔

(۴) آپ نے عورتوں اور مردوں کے اخلاط کو روکنے کی عملاً بھی کوشش فرمائی اور تو لاجھی اس سے منع فرمایا۔ اسلامی زندگی میں جمعہ اور جماعت کی جو اہمیت ہے، کسی صاحب علم سے پوشیدہ نہیں۔ جمعہ کو اللہ نے خود فرض کیا ہے، اور نماز باجماعت کی اہمیت کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص بلا عذر مسجد میں حاضر نہ ہو اور اپنے گھر میں نماز پڑھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے مطابق اس کی نماز مقبول ہی نہیں ہوتی (ابوداؤد، ابن ماجہ، دارقطنی، حاکم، بروایت ابن عباس)۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو جمعہ کی فرضیت سے مستثنیٰ قرار دیا (ابوداؤد بروایت ام عطیہ، دارقطنی و بیہقی بروایت جابر، ابوداؤد و حاکم بروایت طلق بن شہاب) اور نماز باجماعت میں عورتوں کی شرکت نہ صرف یہ کہ لازم نہیں رکھی بلکہ اس کی اجازت ان الفاظ میں دی کہ اگر وہ آنا چاہیں تو انہیں روکو نہیں۔ پھر اس کے ساتھ یہ تصریح بھی فرمادی کہ ان کے لیے گھر کی نماز مسجد کی نماز سے افضل ہے۔ ابن عمر اور ابوہریرہ کی روایت ہے کہ حضور نے فرمایا لا تمنعوا اماؤ اللہ مساجد اللہ، اللہ کی بندوں کو اللہ کی مسجدوں میں آنے سے منع نہ کرو (ابوداؤد)۔ دوسری روایات ابن عمر سے ان الفاظ اور ان سے ملتے جلتے الفاظ میں ہیں ائذ نوالنساء الی المساجد باللیل، عورتوں کو رات کے وقت مسجدوں میں آنے کی اجازت دو (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد) اور ایک روایت ان الفاظ میں ہے لا تمنعوا النساء کھ المساجد و بیوتھن خیولھن، اپنی عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے روکو نہیں، اگرچہ ان کے گھر ان کے لیے زیادہ بہتر ہیں (احمد، ابوداؤد)۔ ام حنیفہ ساجدہ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کا برا شوق ہے۔ فرمایا تمہارا اپنے کمرے میں نماز پڑھنا برا ہے میں پڑھنے سے بہتر ہے اور تمہارا اپنے گھر



میں نماز پڑھنا اپنے محلے کی مسجد میں پڑھنے سے بہتر ہے، اور تمہارا اپنے محلے کی مسجد میں نماز پڑھنا جامع مسجد میں پڑھنے سے بہتر ہے" (احمد، طبرانی)۔ قریب قریب اسی مضمون کی روایت ابو داؤد میں عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے اور حضرت ام سلمہ کی روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ یہ ہیں خیر ما سجد النساء قعرا بیوتھن، عدوہ توں کے لیے بہترین مسجد ان کے گھروں کے اندرونی حصے ہیں" (احمد، طبرانی)۔ لیکن حضرت عائشہ دو بی بی امیہ کی حالت دیکھ کر فرماتی ہیں "اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے یہ زنگ ڈھنگ دیکھتے جو اب ہیں تو ان کا مسجد میں آنا اسی طرح بند فرما دیتے جس طرح بنی اسرائیل کی عورتوں کا آنا بند کیا گیا تھا" (بخاری، مسلم، ابو داؤد)۔ مسجد نبوی میں حضور نے عورتوں کے داخل ہونے کے لیے ایک الگ دروازہ مخصوص کر دیا تھا، اور حضرت عمر اپنے دور حکومت میں مردوں کو اس دروازے سے آنے جانے کی سخت ممانعت فرماتے تھے (ابو داؤد، باب اغترال النساء فی المساجد اور باب ما جاد فی خروج النساء الی المساجد)۔ جماعت میں عورتوں کی صفیں مردوں سے پیچھے رکھی جاتی تھیں اور نماز کے خاتمے پر حضور سلام پھیرنے کے بعد کچھ دیر توقف فرماتے تھے تاکہ مردوں کے اٹھنے سے پہلے عورتیں اٹھ کر چلی جائیں (احمد، بخاری بروایت ام سلمہ) اور آپ کا ارشاد تھا کہ مردوں کی بہترین صف سب سے آگے کی صف ہے اور بدترین صف سب سے پیچھے (یعنی عورتوں سے قریب) کی صف۔ اور عورتوں کی بہترین صف سب سے پیچھے کی صف ہے اور بدترین صف سب سے آگے کی (یعنی مردوں سے قریب) کی صف ہے (مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، احمد)۔ عیدین کی نماز میں عورتیں شریک ہوتی تھیں مگر ان کی جگہ مردوں سے الگ تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبے کے بعد عورتوں کی طرف جا کر ان کو الگ خطاب فرماتے تھے (ابو داؤد بروایت جابر بن عبداللہ - بخاری و مسلم بروایت ابن عباس)۔ ایک مرتبہ مسجد نبوی کے باہر حضرت نے دیکھا کہ راستے میں مرد اور عورت سب گڈ گڈ ہو گئے ہیں۔ اس پر آپ نے عورتوں سے فرمایا استاخرون فانہ لیس لکن ان تحتضن الطریق، علیکن بجافات الطریق؛ ٹھیر جاؤ، تمہارے لیے مٹک کے بیچ میں چلنا درست نہیں ہے، کنارے پر چلو۔ یہ ارشاد سنتے ہی عورتیں کنارے ہو کر دیواروں کے ساتھ ساتھ چلنے لگیں (ابو داؤد)۔ ان احکام سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں اور مردوں کی مخلوط مجلس اسلام کے مزاج سے کیسی سخت ممانعت رکھتی ہے۔ جو دین خدا کے گھر میں عبادت کے موقع پر بھی دونوں جنسوں کو خلط ملط

نہیں ہونے دینا اس کے متعلق کون تصور کر سکتا ہے کہ وہ کالجوں میں، دفاتروں میں، کلبوں اور جلسوں میں اسی اختلاط کو جائز رکھے گا۔

(۵) عورتوں کو اعتدال کے ساتھ بناؤ سنگھار کرنے کی آپ نے نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ بسا اوقات خود اس کی ہدایت فرمائی ہے، مگر اس میں حد سے گزر جانے کو بڑی سختی کے ساتھ روکا ہے۔ اس زمانے میں جس قسم کے بناؤ سنگھار عرب کی عورتوں میں رائج تھے ان میں سے حسب ذیل چیزوں کو آپ نے قابلِ لعنت اور سببِ ہلاکت اقوام قرار دیا: آپنے بالوں میں دوسرے بال ملا کر ان کو زیادہ لمبا اور گھنا دکھانے کی کوشش کرنا۔ حتم کے مختلف حصوں کو گودنا اور مصنوعی تل بنانا۔ بال اکھاڑ اکھاڑ کر بھیدیں خاص وضع کی بنانا اور روٹیں نوچ نوچ کر منہ صاف کرنا۔ دانتوں کو گھس گھس کر باریک بنانا، یا دانتوں کے درمیان مصنوعی پھیدیاں پیدا کرنا۔ زعفران یا دوسرے وغیرہ کے مصنوعی آئینے مل کر چہرے پر مصنوعی رنگ پیدا کرنا۔ یہ احکام صحیح سنہ اور مسند احمد میں حضرت عائشہ، حضرت اسماء بنت ابی بکر، حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، اور امیر معاویہ سے معتبر مسندوں کے ساتھ مروی ہیں۔

اللہ اور رسول کی ان حراف صاف ہدایات کو وکیر لینے کے بعد ایک مومن انسان کے لیے دوسری صورتیں یہ جاتی ہیں۔ یا تو وہ ان کی پیروی کرے اور اپنی، اپنے گھر کی اور اپنے معاشرے کی زندگی کو ان اخلاقی فتنوں سے پاک کر دے جن کے سدباب کے لیے اللہ نے قرآن میں اور اس کے رسول نے سنت میں اس قدر تفصیلی احکام دیئے ہیں۔ یا پھر اگر وہ اپنے نفس کی فزوری کے باعث ان کی یا ان میں سے کسی کی خلاف ورزی کرتا ہے تو کم از کم اسے گناہ سمجھتے ہوئے کرے اور اس کو گناہ مانے، اور خواہ مخواہ کی تاویلوں سے گناہ کو صواب بنانے کی کوشش نہ کرے۔ ان دونوں صورتوں کو چھوڑ کر جو لوگ قرآن و سنت کے صریح احکام کے خلاف مغربی معاشرت کے طور طریقے اختیار کرتے ہیں پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ پھر انہی کو عین اسلام ثابت کرنے کی کوشش شروع کر دیتے ہیں اور علانیہ دعوے کرتے پھرتے ہیں کہ اسلام میں سر سے سر سے ہر قسم کا حکم موجود ہی نہیں ہے، وہ گناہ اور نافرمانی پر جہالت اور منافقانہ ڈوشانی کا اور اضافہ کر لیتے ہیں جس کی قدر نہ دیتا میں کوئی شریف آدمی کر سکتا ہے نہ آخرت میں خدا سے اس کی امید کی جاسکتی ہے۔ لیکن مسلمانوں میں تو منافقوں سے بھی چار قدم آگے بڑھ کر ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو خدا اور رسول کے ان احکام کو غلط

## رفقیہ تفہیم القرآن

اور ان طور پر لقیوں کو صحیح و برحق سمجھتے ہیں جو انہوں نے غیر مسلم قوموں سے سیکھے ہیں۔ یہ لوگ درحقیقت مسلمان نہیں ہیں، کیونکہ اس کے بعد بھی اگر وہ مسلمان ہوں تو پھر اسلام اور کفر کے الفاظ قطعاً بے معنی ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ لوگ اپنے نام بدل دیتے اور علانیہ اسلام سے نکل جاتے تو ہم کم از کم ان کی اخلاقی برائت کا اعتراف کرتے۔ لیکن ان کا حال یہ ہے کہ یہ خیالات رکھتے ہوئے بھی وہ مسلمان بنے پھرتے ہیں۔ انسانیت کی اس سے زیادہ ذلیل قسم غالباً دنیا میں اور کوئی نہیں پائی جاتی۔ اس سیرت و اخلاق کے لوگوں سے کوئی جعل سازی، کوئی فریب، کوئی دغا بازی اور کوئی خیانت بھی خلاف توقع نہیں ہے۔